محمد مظہر الدین صدیقی

اسلامی تحریک پر تصوّف کا اثر

صوفی تحریک ابتدا میں ان اشخاص سے شروع ہوئی جن کا خیال تھا کہ ظاہری پارسائی کافی نہیں جب تک انسان کا باطن بھی پاک و صاف نہ ہو۔ چنانچہ ابتدائی صوفیوں نے شریعت کے ظاہری قوانین کی پابندی کے ساتھ اسلام میں روحانی اور اخلاقی اسپرٹ کا ایک خوشگوار امتزاج پیدا کیا۔ انہیں لوگوں کی بدولت اسلام یہودیت میں تبدیل ہونے سے بچ گیا۔ اور مسلمانوں میں ظاہر پسندی، اور رسم پرستی کے غلو کے باوجود اخلاقی احساسات بالکل فنا نہیں ہوئے اگرچہ قانون کے مقابلہ میں انہوں نے اخلاق کو ایک ثانوی درجہ دے کر اپنے معاشرہ میں بہت سی خرابیاں پیدا کر لیں۔ لیکن جب صوفی تحریک عرب سے نکل کر شام، ترکستان اور ہندوستان میں داخل ہوئی تو اس کی نوعیت مقصد عقائد اور افکار کا ڈھنگ بالکل بدل گیا۔ اب یہ ظاہریت کے خلاف اخلاق اور روحانیت کا مورچہ نہیں تھی بلکہ زندگی سے گریز، سیاست سے بے توجہی اور مادّی مشاہدات و تجربات سے بیزاری کا ایک فلسفہ بن گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام میں عیسائی تصوف، ترکستان میں بدھمت اور ہندوستان میں ویدانت کے تمدن کش فلسفہ کا زور تھا۔ ان تینوں کے نزدیک ہماری ظاہری مادّی زندگی ایک لعنت ہے اور انسان بقاء اور اثبات خودی کے لیے نہیں بلکہ فنا اور نفی خودی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ ان مذاہب کا مشترکہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی زندگی میں معاشرہ اور اس کی ساخت و نوعیت کو کوئی اہمیت نہیں۔ انسان کا خدا کے ساتھ جو تعلق ہے وہ معاشرہ کے ذریعہ نہیں بلکہ براہ راست ہے۔ ان کے عقیدہ کی رو سے مذہب اور روحانیت کو انسانوں کے باہمی تعلقات سے کوئی بحث نہیں بلکہ مذہب انسان اور خدا کے شخصی تعلق کا نام ہے۔ اسلام کی تعلیم اس کے برعکس یہ تھی کہ فرد اگر خدا کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو یہ رابطہ صرف معاشرہ کے توسط سے قائم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے رہبانیت کو اسی بنا پر مردود قرار دیا کیونکہ اس کے نزدیک مذہب خدا اور انسان کے باہمی تعلق سے زیادہ انسانوں کے باہمی تعلق کا معاملہ ہے۔ جب

اسلامی تصوف نے ان مذاہب کا اثر قبول کیا تو مسلمانوں کے مذہب میں معاشرتی سود و بہبود اور خدمتِ خلق کا کوئی مقام نہیں رہا۔ اب یہ عیسائیت کی طرح خدا اور انسان کے باہمی تعلق کا معاملہ بن گیا۔ چنانچہ سیاسی امور سے کنارہ کشی اور معاشرہ کے مسائل سے بے تعلقی مسلمانوں میں اسی نسبت سے بڑھتی گئی جس نسبت سے تصوف کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس طرح سے معاشرتی زندگی اور مذہب کا باہمی تعلق ختم ہوگیا۔ اس سلسلہ میں شیخ ابوالحسن خرقانی کا واقعہ نہایت سبق آموز اور صوفیانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ کہا جاتا ہے ایک مرتبہ محمود غزنوی شیخ سے ملنے کے لیے خرقان پہنچا۔ اس نے شیخ کی خدمت میں ایک قاصد اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ باریابی کی اجازت لائے اور قاصد کو ہدایت کی کہ اگر شیخ ملنے پر راضی نہ ہوں تو یہ آیت تلاوت کرنا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ چنانچہ قاصد نے ایسا ہی کہا۔ شیخ نے فرمایا من در اطیعوا اللہ چنال مشغولم کہ در اطیعوا الرسول خجالتہا دارم تا بہ اولی الامر چہ رسد۔ یعنی میں خدا کی اطاعت میں اتنا مصروف ہوں کہ اطاعت رسولؐ سے شرمندہ ہوں۔ اولی الامر کی اطاعت کا کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تھی ہمارے صوفیوں کی ذہنیت جن پر ویدانت اور بدھ مت کا سایہ پڑ چکا تھا۔ اس قصہ کا مقابلہ حضرت کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع کے اس واقعہ سے کیجیے جب کہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکنے کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ یہاں تک کہ ان کی بیویاں اور اولاد بھی ان سے علاحدہ ہو گئی حالانکہ ان دونوں حضرات نے قصداً جہاد میں شرکت سے گریز نہیں کیا تھا بلکہ کچھ خانگی امور کے باعث انہیں سفر پر نکلنے میں دیر ہو گئی تھی۔ ایک طرف تو شیخ خرقانی ہیں جنہیں خدا کی اطاعت میں انسانوں کی برائی اچھائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ معاشرہ اور خدمت خلق تو کجا انہیں رسولؐ کی اطاعت کا بھی وقت نہیں ملتا۔ دوسری طرف یہ دو جلیل القدر صحابی ہیں، جن کی تمام عبادات اور ریاضات اور محبت خدا و رسولؐ کو اس لیے ساقط الاعتبار قرار دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسی اجتماعی جد و جہد میں حصّہ نہ لے سکے جس سے خلق خدا کی بہتری اور نظام کی اصلاح مقصود تھی۔ یہ بات غور کے قابل ہے کہ اسلام ایک اجتماعی تحریک ایک معاشرہ اور نظامِ سیاست و تمدن کی صورت میں شروع ہوا لیکن آج کے دن مسلمانوں پر جتنی انفرادیت طاری ہے وہ شاید ہی کسی اور قوم میں پائی جائے۔ یہاں تک کہ مسلمان آپس میں باہمی تعاون کے ذریعہ کوئی تنظیم نہیں چلا سکتے۔ اور اگر چلاتے ہیں تو اس میں سازشوں، جھگڑوں اور باہمی رشک و حسد کے باعث

بے شمار خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ یہ ہمارے زمانہ مابعد کے تصوّف اور ملوکیت کا پیدا کردہ ذہن ہے جس کے باعث اسلام اجتماعی دین کی جگہ ایک انفرادی مذہب بن گیا۔

ملوکیت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اسے عوام الناس اور جمہور کی تائید نہیں حاصل ہوتی۔ وہ فوجی طاقت کے بل پر قائم ہوتی ہے اور صرف فوجی طاقت کے ذریعہ ہی اس میں تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ چونکہ وہ ایک خاندان کے مفاد پر مبنی ہوتی ہے اس لیے اس کی اساس نہایت کمزور ہوتی ہے اور اسے ہر وقت یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ اگر امراء اور اعیان سلطنت باہم متحد ہو جائیں تو اس کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ اس وجہ سے بادشاہوں اور سلاطین کی پالیسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ قوم کے بااثر طبقوں کو باہم متحد نہ ہونے دیا جائے اور امراء کو گروہوں میں منقسم کر کے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پرخاش رکھا جائے۔ چنانچہ عباسی حکومت نے اسی پالیسی کے تحت عربوں کے خلاف خراسانیوں کو کھڑا کیا اور پھر جب انہیں خراسانیوں سے خوف پیدا ہوا تو وہ ترکی امراء اور فوجی جنرلوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ اسی طرح ہندوستان میں مغل بادشاہوں نے ایرانی اور تورانی امراء کو آپس میں لڑانا شروع کیا اور ان کے قومی اختلافات کو کم کرنے کے بجائے انہیں اور زیادہ قوت بہم پہنچائی۔ سلاطین مغلیہ نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ افغان امراء کی بھی ایک علاحدہ جمعیت بنا دی اور اکبر نے اس میں مزید اضافہ یہ کیا کہ راجپوت راجاؤں اور امراء کی سرپرستی کرنی شروع کی۔ اس طرح مسلمانوں کے بااثر طبقوں میں گروہی، نسلی اور قومی عصبیتیں مضبوط سے مضبوط تر ہو گئیں۔ اور فرقہ دارانہ تعصبات کی گرم بازاری شروع ہوئی غرضکہ مسلمانوں کا اتحاد توڑنے میں ملوکیت نے بہت کام کیا۔ پھر چونکہ زمانہ گذشتہ میں عام لوگ اور متوسط طبقے اپنے امراء اور سرداروں کے اشارہ پر چلتے تھے اس لیے امراء کی گروہ بندیاں قومی اور نسلی عصبیتوں اور فرقہ دارانہ ذہنیت کا اثر واسطہ در واسطہ پوری مسلمان قوم میں پھیل گیا، ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت بھی فوجی قوت کے بل پر قائم تھی۔ اس لیے انہوں نے بھی سلاطین مغلیہ کی پالیسی کو جاری رکھا، اور مختلف فرقہ دارانہ نسلی اور قومی گروہ بندیوں کو قائم رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے۔ اس طرح موجودہ مسلمان نسل طرح طرح کے قومی، گروہی، اور مذہبی تعصبات میں مبتلا ہو گئی۔ اور اس میں یہ قابلیت نہیں رہی کہ وہ ان تعصبات سے بالاتر ہو کر باہمی تعاون کے ذریعہ کسی اجتماعی مہم کو کامیاب بنائے۔ مسلمانوں کی موجودہ انفرادیت پسندی، گروہ بندی اور نسلی

تفرقوں کی تخلیق میں ملوکیت نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ ہندوستان میں وہابی تحریک کی ناکامی کے اسباب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نسلی اور فرقہ داری اور فقہی اختلافات کو بڑا دخل تھا۔

دوسری طرف سے ارباب تصوّف نے اس مبالغہ آمیز انفرادیت کو دین کی راہ سے ترقی دی۔ ان کے نزدیک مذہب نام تھا انفرادی تزکیہ نفس کا۔ معاشرہ کی برائیوں سے نبرد آزما ہونا، سیاسی اور سماجی اصلاح کے کاموں میں حصہ لینا ان امور کا صوفیا کی نظر میں کوئی روحانی مقام نہ تھا۔ عہد اسلام میں بلکہ بنو امیّہ کے دور تک ہمیں خانقاہوں اور زاویوں کے وجود کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ شام اور مصر میں عیسائیوں کے اندر خانقاہیت کا بڑا چرچا تھا۔ اسی طرح ترکستان کے جن علاقوں میں بدھ مت کا اثر تھا وہاں بدھ مذہب والوں کی خانقاہیں قائم تھیں کیونکہ خانقاہی نظام کی ابتدا بدھ مت سے ہی شروع ہوئی تھی۔ جب ان علاقوں میں پہنچ کر اسلامی تصوف نے اپنا رنگ بدلا تو اس میں بھی خانقاہیت کو فروغ ہونے لگا۔ صوفی خانقاہوں کی زندگی کا مسلمانوں کی عام معاشرتی اور مذہبی زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کی تنظیم تھی جنہیں حیات اور مسائل حیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کا مقصود فنا فی اللہ تھا۔ جن لوگوں کو موت اور فنا سے اتنی دلچسپی ہو انہیں زندگی اور اس کے مسائل سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا۔ یہ فنا فی اللہ کا نظریہ درحقیقت بدھ مت کے عقیدۂ نروان کی صدائے بازگشت تھی اور اس میں وہ خود غرضانہ روحانیت اور مبالغہ آمیز انفرادیت پسندی کارفرما تھی جس کو دوسرے انسانوں کی فلاح و صلاح سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ صوفیوں نے باطن پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر ظاہر کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ پھیر دی۔ اس ذہنیت کا بھی انفرادیت کی ترقی میں بڑا ہاتھ تھا کیونکہ انسان کی باطنی کیفیات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتی ہیں جس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص باطن میں بالکل ڈوب گیا ہو اسے عالم خارجی اور معاشرہ کے مسائل سے دلچسپی لینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ جو عالم ظاہری کے امور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں انسانوں کی مشترکہ اور متحدہ کوشش کے بغیر کوئی کام محض انفرادی جدوجہد سے نہیں بن سکتا۔ لیکن باطن کے تزکیہ میں فرد کو کسی دوسرے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنی جگہ بالکل خود مکتفی ہو سکتا ہے۔ صرف ایک روحانی مرشد کی مدد سے وہ بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔ اس کے برعکس معاشرتی اصلاح اور ہیئت اجتماعی کی تعمیر اور تزکیہ کے لیے انسانوں

کا باہمی اشتراک و اتحاد و رواداری، ہم آہنگی اور ایک دوسرے کی ضروریات کا پاس و لحاظ ضروری ہے۔ اس لیے جو گروہ ہیئت اجتماعی کی اصلاح چاہتا ہے اس کو اعلیٰ درجہ کی اجتماعی صفات پیدا کرنی پڑتی ہیں لیکن جس جماعت کو انفرادی طور پر خود غرضانہ نجات مطلوب ہو اس کے افراد میں باہمی تعاون، رواداری اور اجتماعی احساس کا ہمیشہ فقدان رہے گا۔ اس طرح ارباب تصوف نے ایک روحانی خود غرضی کا سلسلہ شروع کیا جس کے اثر سے مسلمانوں پر شدید انفرادیت طاری ہو گئی۔

مطبوعاتِ بزمِ اقبال و مجلسِ ترقیِ ادب

مجلۂ اقبال سہ ماہی۔ مدیر: ایم۔ ایم شریف۔ بشیر احمد ڈار۔ سالانہ دس روپے

		روپے
میٹافزکس آف پرشیا۔	مصنفہ علامہ اقبال	۵—۰—۰
امیج آف دی ویسٹ ان اقبال۔	مصنفہ مظہر الدین صدیقی	۲—۰—۰
اقبال اینڈ والنٹرزم۔	مصنفہ بشیر احمد ڈار	۶—۰—۰
فکرِ اقبال۔	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۱۰—۰—۰
ذکرِ اقبال۔	مصنفہ عبدالمجید سالک	۵—۰—۰
علامہ اقبال۔	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	۱—۸—۰
فلسفہ اقبال۔	مرتبہ بزم اقبال	۶—۰—۰
اسلام اور تحریک تجدد مصر میں۔	مترجمہ عبدالمجید سالک	۵—۰—۰
غیب و شہود۔	مصنفہ سید نذیر نیازی	۳—۴—۰
جمالیات قرآن کی روشنی میں۔	مصنفہ نصیر احمد	۴—۰—۰
نظام معاشرہ اور اسلام۔	مترجمہ عبدالمجید سالک و عزیز	۴—۰—۰
دولت اقوام ۳ جلد۔	مترجمہ عطاء اللہ و فخری	۳۶—۰—۰
سائنس سب کے لیے۔	مترجمہ آفتاب حسن	۲۰—۰—۰

ملنے کا پتہ: سیکرٹری بزم اقبال و مجلس ترقی ادب۔ نرسنگداس گارڈن۔ لاہور